Fikr-o-Nasar (Islamabad) 21:2 (1983)

چودھویں صدی عیسوی میں غرناطہ کا تہذیبی و ثقافتی پس منظر

ڈاکٹر احتشام بن حسن

تاریخی و سیاسی پس منظر

چودھویں صدی کا نصف آخر جس میں ابن خطیب زندہ تھے تمام متمدن دنیا میں ایک انقلابی دور مانا جاتا ہے۔ عالم عربی تنزل و پستی کی طرف گر رہا تھا اور عالم غربی عروج و بلندی کی جانب چڑھ رہا تھا۔[1] جہاں تک عالم عربی کی بات ہے وہ دو اساسی قسموں پر تقسیم تھا، ایک مغرب اور دوسرا مشرق، یعنی وہ شہر جو مصر اور بحر محیط کے مابین واقع تھے مغرب میں شمار ہوتے تھے اور مصر اور اس کے متصل عربی شہر مشرق میں، اندلسی تہذیب و تمدن کے مراکز طلیطلہ اور قرطبہ وغیرہ تھے اور بیشتر شہر ہائے اُندلس (اشبیلیہ تک) عربوں کے اقتدار سے نکل چکے تھے، اور عربوں کی کثیر تعداد مغرب اور افریقہ یعنی مراکش و تونس کی طرف جلاوطن کر دی گئی تھی۔ اور اب عرب کے زیر نگیں جنوب غربی کا تھوڑا سا رقبہ رہ گیا تھا جو غرناطہ، مریّہ اور جبل الطارق کے مابین محصور تھا۔[2] اس مختصر سے قطعۂ ارض پر بنو الاحمر حکمران تھے۔ یہ لوگ حکومت طلبی میں آئے دن آپس میں دست و گریباں رہتے۔ اور کبھی سلاطین مغرب سے بھی ٹکراتے تھے۔

مغربی اسلامی علاقے خاص کر مسلم اسپین کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر پر نگاہ دوڑاتے

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

وقت یہ مسلمہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ مسلم تہذیب کا ستارۂ عروج اسپین کی وادی اور صحراہی پر نہیں بلکہ تمام خطۂ ارض پر چمکا۔ اسپین میں تو وارد اقوام میں مسلم بربر اور عرب قوم بھی تھی۔ عرب قوم سرسبز و شاداب اور زرخیز ممالک یعنی عراق و شام اور مصر سے یہاں آئے تھے۔ یہ سب اعلیٰ نسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اسپین کی سرزمین ان کو بے حد راس آئی۔ انہوں نے یہاں کی پرسکون فضا میں تہذیب و تمدن کے چراغ روشن کئے اور معاشرہ کو اعلیٰ معیار پہ پہنچایا یہاں کی مادی ترقی کے لئے منصوبے بنائے اور ایک ایسی بے مثال حسین دنیا بنانے میں کامیاب ہو گئے جس کو ان کی پیش رو گوتھک قوم صدیوں میں بھی نہ بنا سکی۔ انہوں نے اپنی اعلیٰ دماغی صلاحیتوں سے کام لے کر اس خطۂ ارض کو انتہائی ترقی یافتہ ملک میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ زراعت کو فروغ دیا اور معدنیات کے سراغ لگا کر ملک کو قدرتی وسائل اور معدنی ذرائع سے مالا مال کر دیا۔ ملک کا شمالی حصہ جس پر رومیوں کی حکومت عرصہ تک رہی دوبارہ تعمیر کیا گیا عرب قوم نے نہ صرف تہذیب و تمدن بلکہ صنعت و حرفت و تجارت کو خاص طور پہ شہروں اور قصبوں میں فروغ دیا۔ بارش کے پانی سے انہوں نے زمین کی آبیاری کا کام لیا اور MESTA کے نیچے کی وادیوں کو آبادکاریوں کے لئے منتخب کیا طلیطلہ TOLEDO، سنترا CENTRA، قرطبہ، صیوائل، مرسیہ، بلنسیہ اور غرناطہ کی آبادیاں اسی طرز پر بسائی گئی تھیں جن کا حسن اور خوش نمائی آج بھی دنیا میں مشہور ہے۔ رومیوں کے عہد حکومت میں بھی زراعت پر توجہ دی گئی تھی لیکن عربوں کے جدید ذہن نے زراعت کو مختلف منصوبوں کے ذریعہ اور مختلف طرز تعمیر کے ذریعہ پورے ملک میں فروغ دیا۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور کھیتوں کا ملک ایک شاداب، زرخیز اور لہلہاتے کھیتوں کی مانند بن گیا[۳]۔ حقیقت یہ ہے کہ پورا ملک مسلمانوں کے دور حکومت میں انتہائی ترقی کے منازل تک پہنچ گیا۔

شروع کے پچاس سال میں مسلمانوں نے ملک کی انتظامیہ بالکل جدید طرز پر قائم کی اور ملک کی اقتصادی اور سماجی ترقی کے لئے قوانین بنائے،[۴] عبدالرحمان اول نے دمشق کی اموی خلافت کے خاتمہ کے بعد اسپین میں اموی عہد حکومت کا آغاز کیا۔ اس نے سڑکوں کی تعمیر کرائی اور مواصلات و مراسلات کے محکمے کھولے اور دار السلطنت قرطبہ کو خوبصورت عمارتوں اور شاندار محلوں اور پُرعظمت مسجدوں سے آراستہ کر دیا۔[۵]

نویں صدی میں تمام حکمرانوں نے انتہائی جانفشانی اور عدل و انصاف کے ساتھ ملک کے تحفظ و انتظام کے لئے کوششیں کیں۔ نئی نئی اسکیمیں چلائیں اور نظام مملکت کو استحکام بخشا۔ سرحدی حملوں اور فسادات کے باوجود عبدالرحمٰن اوّل نے تیس سال تک نہایت کامیاب حکومت چلائی۔ اس حکمران نے اپنے دور میں ملک کو دنیا کے تمام مہذب اور متمدن ملکوں میں نمایاں کر دیا۔ یونان کے سیاح اور سفیر اس دور میں جب اسپین آتے تو قرطبہ کی خوبصورتی اور وہاں کی دولت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ پانی کا انتظام قرطبہ تک اس طرح کر دیا گیا تھا کہ SIERRA MORENA سے پائپ لائن بنائی گئی تھی جس کے ذریعہ مختلف سمتوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا اور اس کے ذریعہ پبلک حمام میں بھی پانی پہنچانے کا انتظام تھا۔ صفائی کا محکمہ بھی اپنے انتظام کے لحاظ سے عروج پر تھا۔ اس محکمہ کو اموی دربار کے مشیر، مغنی اور دانشور زریاب نے تشکیل دیا تھا۔ نظام مملکت اس طرح منظم اور مستحکم بنا لیا گیا تھا کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس کو عبدالرحمان ثانی نے نہ سنوارا ہو۔ اس نے لباس اور بود و باش کے مروجہ طریقوں میں اصلاحات جاری کیں اور عباسیوں کے طرز پر دواخانے اور اسپتال تعمیر کرائے۔ فارسی اور یونانی سے عربی میں کتابیں ترجمہ کرانے کا اہتمام کیا۔[۶]

دسویں صدی کا آغاز نئی سیاسی اور تمدنی زندگی سے ہوا اور مسلم اسپین کی تہذیب کا

ستارۂ عروج عبدالرحمان ثالث کے عہد میں چمکا اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی سلطنت کو باقی رکھا بلکہ تہذیب و تمدن کو برباد ہونے سے بچالیا۔ اس کا عہدِ حکومت حکم ثانی اور منصور کی طرح کامیاب رہا۔ اس عہد میں اسپین کا کلچر جس اعلیٰ منزل پہ پہنچ گیا وہ اس کے دانشمند وزیروں کی خداداد صلاحیتوں کا مظہر تھا۔ دنیا کے تمام متمدن ممالک کے سفرا قرطبہ کی عظمت و شان کو دیکھنے پروانہ وار آئے۔ اور عبدالرحمان کا دربار دنیا کے علماء اور فضلاء کا مرکز قرار پایا۔ مختلف ممالک سے بڑے بڑے اسکالر، ادیب اور شعراء دربار میں آکر زینتِ بزم بنے۔ قرطبہ کے سفیر RECELUNDE نے LIUDPRAND (حکومت جرمنی کے دربار کا مشہور مورخ) کو مشورہ دیا کہ وہ ANTAPADOLIS تصنیف کرے فاطمی عہدِ حکومت کا مشہور جغرافیہ داں ابن حوقل قرطبہ دیکھنے کے لئے آیا اور واپسی پہ اس نے وہاں کی اقتصادی خوشحالی پہ ایک رسالہ لکھا، یہودی معالج جو یورپ کے دوسرے ملکوں میں تھے وہاں سے قرطبہ چلے آئے اور یہاں کے میڈیکل کالجوں میں تعلیم دینے لگے۔[۵]

حکم ثانی کا دور اسپین کا عہدِ زریں کہلاتا ہے۔ اس حکمران کے دورِ حکومت میں قرطبہ علم کا گہوارہ کہلایا اور اس کو یورپ کی سرزمین پہ ایسا سمجھا جاتا رہا جیسے تاریک سمندر میں LIGHT HOUSE اس نے قرطبہ کی یونیورسٹی کو اس شان و شوکت سے تعمیر کرایا اور تعلیم و تربیت کا وہ اعلیٰ انتظام کیا کہ بغداد کی مشہور نظامیہ یونیورسٹی اور قاہرہ کی الازہر سب ہی اس کے سامنے ہیچ ہوگئیں، یورپ کے مختلف ملکوں، ایشیا اور افریقہ سے طلباء محض تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہاں جمع ہوگئے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوا اگرچہ وہ اپنے باپ کا بدل نہ تھا لیکن اس کا وزیر منصور اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت بلند انسان تھا۔ اس وزیر نے پورے جوش و خروش سے ملک کی ترقی کے لئے اسی طرح اہتمام کیا جس طرح حکم ثانی نے کیا تھا۔ اس نے آرٹ، فنِ تعمیر اور ادب کی ترقی کے لئے کوشش کی اور عبدالرحمان ثانی کے بنوائے ہوئے الزہرا کے مقابلہ میں ایک دوسرا حسین شہر زہرہ تعمیر کرایا۔[۶]

یہ حالات کے نشیب و فراز قرار دیئے جائیں یا پھر قوموں کے عروج و زوال کی داستان اسی خطۂ ارض (اسپین) پر بدامنی اور شورشوں کے بادل امنڈ آئے اور مقامی گورنروں اور امیروں کو خود مختار ریاستیں قائم کر لینے کا موقع مل گیا۔ بنو حمود ملاغہ الجزیرہ کے علاقوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے اور امیر المومنین ہونے کا اعلان کر دیا جن کی حکومت کا گیارہویں صدی ہی میں شاہ غرناطہ نے خاتمہ کر دیا۔ لیکن خود غرناطہ پر سردار زادی مسلط ہو گیا۔ مغربی اضلاع کے علاقے بنو عباد کے تصرف میں آ گئے، جن کا آخری بادشاہ معتمد تھا، اسے یوسف ابن تاشفین نے افریقہ کی طرف بھگا دیا تھا۔ اور سارا گوسا پر بنو ہود بارہویں صدی تک حکمراں رہے۔ ان بادشاہوں کو ملوک الطوائف کہا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سیاسی نقطۂ نگاہ سے یہ سارے بادشاہ کشمکش کا شکار تھے اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔ لیکن علم و ہنر کا مربی اور علماء و فضلاء کا حامی ان میں کا ہر بادشاہ تھا اشاعتِ تعلیم اور شعر و ادب کی سرپرستی کرنے میں آگے بڑھنے کی کوشش بھی ہر ایک کرتا تھا اکثر حکمراں تو خود عالم اور شاعر تھے اور معتمد آخری حکمران نے تو شاعری میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیا تھا اور صاحب دیوان تھے[۹]۔

ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کی باہمی رسہ کشی اور تنازعے نے ان کی ہوا بکھیر دی اور عیسائیوں کو ان کے علاقوں پر یلغار کرنے کا اچھا موقع مل گیا اور کچھ ناعاقبت اندیش حکمرانوں کے عیسائیوں سے گٹھ جوڑ نے ان کے حملے کی مزید راہ ہموار کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ فرڈیننڈ کے حملہ سے کئی اچھے مقامات ان سے چھن گئے۔ مغرب میں مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کی ان ریشہ دوانیوں سے مشرقی ایشیا کے عرب بالکل بے خبر یا بے پرواہ تھے، البتہ مغرب کے صحرائی قبائل مسلمانانِ اسپین کی نصرت و اعانت کرتے رہتے تھے اس خدمت میں گو ان کی ہوسِ ملک گیری بھی کارفرما تھی چنانچہ جس وقت مسلمانانِ اندلس نصاریٰ کے پیہم حملوں سے موت و بیم سے دوچار تھے، اس وقت وہاں وحشی قبائل

کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی جن کو اغیار کی حکومت فطری طور پہ ناگوار اور گراں گزرتی تھی۔ یہ قبائل نسلاً بربر تھے۔ یہ اپنے مذہبی لیڈروں کی قیادت میں جنہیں یہ مرابط کہا کرتے تھے، ان عیسائی حکمرانوں کو جو مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور ان کے علاقے چھیننے میں لگے ہوئے تھے، پسپائی کے گھاٹ اتارتے ہوئے یہاں اپنی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا مایہ ناز لیڈر یوسف بن تاشفین تھا جو گیارہویں صدی میں ہسپانیہ کی طرف آیا، اور اسی صدی میں وہ اندلس بھی آیا جہاں اس کی قوت و شوکت اور اس کا عروج دیکھ کر اشبیلیہ اور غرناطہ وغیرہ کے مسلمان سلاطین اس کی طرف جھک پڑے اور اس سے عیسائیوں کے مقابلہ میں مدد و اعانت کی درخواست کی، بلکہ معتضد شاہ اشبیلیہ نے اپنے ملک کا زرخیز صوبہ شہر الجزیرہ اس کے سپرد کر دیا تاکہ وہ کسی طرح مسلمانان اسپین کی مدد کے لئے آجائے۔

یوسف بن تاشفین، بانی فرقہ مرابطین اعلیٰ درجہ کا متقی، عالی حوصلہ اور حکومت و سیاست کے امور کا ماہر شخص تھا۔[۱۱] وہ نہایت باوقار اور صاحب دبدبہ شخص تھا جس کی وجہ سے اس کی رعایا اور جماعت اس پہ دل و جان سے فدا تھی۔ مرابطین اس کے ہر حکم کی نہایت خلوص کے ساتھ اطاعت کرتے تھے۔ جو علاقے اس کی حکومت کے قبضہ میں تھے ان میں قرطبہ، ملاغہ، غرناطہ اور اشبیلیہ بھی تھے۔[۱۲]

اندلس کے ممالک کو مسخر کر چکنے کے بعد ابن تاشفین کو عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کا خیال پیدا ہوا، اور اب اسے مسلمانوں اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی۔ اور دوسری طرف مسلمانان اندلس بھی اس مطلق العنان بادشاہ اور اس کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ آخر خود ہی یہ بادشاہ بارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس دار فانی سے رحلت فرما گیا۔[۱۳]

گیارہویں صدی میں بعد وفات ابن تاشفین محمد بن عبداللہ بن تومرت نامی شخص نمودار ہوا اور مرابطون کے خلاف اپنی عرصہ دراز سے پرورده رنجش اور ان کا تختہ اُلٹنے کی خواہش پوری کرنے میں کامیاب ہوا یعنی مرابطون سے مقابلہ میں کامیاب ہوگیا۔ یہ شخص پہلے جامع قرطبہ کی کسی ادنیٰ خدمت پر مامور تھا۔ بعد میں تعلیم کے لئے وہ بغداد چلا گیا۔ وہاں امام وقت محمد بن محمد غزالی سے علم حاصل کیا جب وہ مغرب سے واپس آیا تو اپنے استاد غزالیؒ کے عقائد کو اس ملک میں پھیلانے لگا۔ مراکش میں قیام پذیر ہو کر مرابطین کی حکومت کے زوال کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس نے اپنے آپ کو مہدی موعود بتایا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مریدین کا ایک حلقہ اس کے ارد گرد رہنے لگا اور عبدالمومن ایک مالدار سوداگر کے بیٹے کو اپنا خلیفہ بنا لیا۔ اس کے مریدین اپنے آپ کو موحدین کہتے تھے۔[۱۴]

ان موحدین کی طاقت بتدریج بڑھتی گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے مرابطی حکومت پر قبضہ جما لیا۔ لیکن اس دوران انہیں کافی مصائب اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حکومت کے لئے سب سے زیادہ مددگار جو شخص ثابت ہوا وہ عبدالمومن تھا جو سپہ سالاری کے امور میں ماہر و باہر تھا۔ اسی نے مرابطون کے گھٹنے ٹکا دیئے اور عیسائیوں سے بہت سے علاقے چھین لئے اور اسپین پر حملہ کر کے بیشتر حصوں پر قبضہ جما لیا۔ ۱۱۶۰ء کے حملہ میں شہر غرناطہ کو مسخر کر لیا۔ عبدالمؤمن کے بعد اس کے کئی جانشین یکے بعد دیگرے آئے گئے، اور کافی عروج حاصل کر لینے کے بعد بالآخر اُندلس سے یہ حکومت بھی تیرھویں صدی کے وسط کے قریب یعنی ۱۲۳۲ء میں ہر کمال را زوالے کا شکار ہو گئی۔[۱۶]

قرب و جوار کے عیسائی حکمرانوں نے اس موقع کو پھر غنیمت جان کر عربی حکومت پر دست درازیاں شروع کر دیں اور بعض خطوں پر جہاں ان کو کامیابی نظر نہ آتی تھی مسلمان حکمرانوں سے ساز باز کر کے

کامیابی حاصل کرلی۔ یہ بات غالباً ایک سانحہ سے کم نہیں ہے کہ اُندلس کے قدیم مسلمانوں نے اپنے ان نئے حاکموں (موحدون) کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور موحدین کے اس لشکر پہ حملہ کردیا جو مملکت اندلس میں بطور محافظ سپاہ کے موجود تھا۔ یہ بغاوت مسلمانوں کے حق میں اچھی ثابت نہیں ہوئی کیونکہ موحدین کی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بعد انہیں دشمنوں کو راستے سے ہٹا دینا چاہیئے تھا اور پھر تمام مملکت اندلس کی ایک مرکزی حکومت قائم کرتے جو ان کے فوائد کا بخوبی تحفظ کرسکتی مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے، بلکہ بجائے ایک متحدہ قوت ہونے کے ہر ذی اقتدار حاکم اپنے زیر اثر علاقہ اور صوبہ کا خودسر بادشاہ بن بیٹھا اور اس طرح اسپین کی واحد اسلامی ریاست متعدد چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی۔

ان خودسر امیروں میں محمد الاحمر سب سے زیادہ خوش نصیب حکمران ثابت ہوا ہے جس نے ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ۱۲۳۸ء سے لے کر ۱۴۰۲ء پورے دو سو چودہ سال تک عربوں کی تہذیب وتمدن کا مرکز بنی رہی۔ یہ غرناطہ کے حکمرانوں کا آخری خاندان تھا جو "دولت نصریہ" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔[17]

محمد نے جس زمانہ میں حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اس وقت انتشار وبحران پھیل چکا تھا۔ بنو مردان بلنسیہ VALANCIA اور بنو ھود مرسیہ MURCIA پر اپنا تسلط جما رہے تھے اور بالآخر مشرقی حصہ پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ بنو نصر نے بھی ان قبائل کی دوراندیشی اور چابکدستی سے فائدہ اٹھایا۔ اس قبیلہ کے سردار محمد بن احمر جو اس وقت قرطبہ کے علاقہ میں ارجونا کی فوج کے کمانڈر تھے، موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے صیوائل کو حاصل کرنے کی غرض سے بنو ھود کے خلاف قسطالیہ کے FERDINAND کے ساتھ خفیہ سمجھوتہ کرلیا اور اس طرح قاروسہ اور دوسرے مقامات بھی اس کے تصرف میں آگئے اور اس کی مدد سے آخرکار ۱۲۳۷ء میں غرناطہ فتح

کر کے اپنا دیرینہ خواب پورا کیا۔ غرناطہ فتح ہونے کے بعد محمد بن احمر نے اپنی خود مختار بادشاہت کا اعلان کیا اور غالب باللہ کا لقب اختیار کیا[۱۸]۔ اور اسی شہر میں اپنے لئے ایک قلعہ اور ایک عالیشان محل (الحمرا) بنوایا[۱۹]۔

آہستہ آہستہ غرناطہ کے حدود انتہائی مختصر عرصہ میں وسیع ہو گئے، اور دو مساوی پہاڑیاں اس کی حدیں قرار پائیں DARRO-GENIL میدان اور البائسین اور الحمراء جنوب اور شمال کے علاقے تھے VEGA کا میدان قدرتی حسن کاری سے معمور تھا۔ ہر طرف شادابی و رعنائی نظر کو سکون دیتی تھی۔ فضا دلکش اور طرب انگیز تھی، خاص طور پر دمشق کی طرح تا حد نظر جھیلیں پھیلی ہوئی تھیں جن سے اس علاقہ میں کیف محسوس ہوتا تھا۔ تقریباً ایک لاکھ اشخاص جن میں ماہرین سائنس، آرٹ، علم و فضل، اور ادیب و شاعر عیسائیوں کے جبر و تشدد سے مجبور و تنگ آکر غرناطہ کے حسین شہر میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ محمد نے اپنی رہائش کے لئے الحمراء نامی ایک اعلیٰ شاہی محل جنوب مشرقی پہاڑیاں پہ تعمیر کرایا تھا، جہاں سے شہر کی بکھری ہوئی دلکش بستی نظر آتی تھی۔ آنے والی صدیوں میں بھی اس محل کی آرائش و تزیین ہوتی رہی۔ خاص طور پہ اس خاندان کے ایک حکمراں یوسف اول نے اس محل کی تزیین اور خوشنمائی میں اور چار چاند لگا دیئے۔

محمد بن احمر کے دور میں غرناطہ کے حدود کو اس لئے وسعت نہ حاصل ہو سکی کیونکہ پڑوس کی عیسائی حکومتوں کے متواتر حملہ کا سامنا رہتا تھا، اس لئے بجائے حدود مملکت کو بڑھانے کے مستحکم بنانے کی پیہم کوشش کرنی پڑی جس کے نتیجہ میں غرناطہ کی حکومت تقریباً سوا دو سو سال تک تباہ کن انقلابات سے بچی رہی۔

غرناطہ کا یہ حاکم (محمد بن احمر) صرف ایک جنرل ہی نہیں بلکہ ماہر سیاسیات اور منتظم مملکت بھی تھا، اس نے اکثر موقعوں پہ اپنی حکومت کی [illegible] حفاظت کی خاطر مسلمانوں کے خلاف

عیسائی حکمرانوں کو مدد بھی دی اور اس مہلت میں اپنی فوجی طاقت کو اس لائق بناتا رہا کہ وہ تنہا عیسائی حکمرانوں کے حملہ کو ناکام بنا سکے اس کی یہ مصلحت اندیشی اور سیاسی حکمت عملی برابر کامیاب ہوتی رہی اس نے قشطالیہ کے عیسائی حکمراں پر کبھی اعتماد نہیں کیا اور ہمیشہ اس سے ہوشیار رہا۔ اس نے اپنے مختصر عہد حکومت میں اپنے ملک کے سرحدی علاقوں میں فوجی قیام گاہیں اور مضبوط قلعے جبل طارق تک بنوائے اور بہت سے بوسیدہ اور مسمار شدہ قلعوں کی دوبارہ مرمت کرا کے ان کو فوجی اڈہ بنایا۔

۲۴ر ستمبر ۱۲۷۲ء میں محمد بن احمر جو عیسائیوں سے مردانہ وار مقابلہ میں ہمہ تن مصروف تھا یہ کام اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ یہ بنو نصر خاندان کا پہلا حکمراں تھا جس نے بہت کامیابی کے ساتھ اس پُر آشوب دور میں حکومت کی۔ اس نے اکثر نازک موقعوں پر مسلمانوں کی عزت و وقار کو برقرار رکھا۔ سیاسی تدبر اور نظم مملکت کے علاوہ وہ ایک عالم اور ادیب بھی تھا، اس کو مطالعہ کا بہت شوق تھا، علماء و ادباء کا بے حد احترام کرتا تھا، علوم کی ترقی و ترویج کے لئے اس نے بہت اہم کام کئے۔

غرناطہ میں ماہرین فن اور علماء کو سلطنت کی طرف سے گراں قدر وظائف ملتے تھے، ان کے یہ خدمت سپرد تھی کہ وہ عملی پیشوں اور دستکاریوں پر مفید کتابیں تصنیف کرتے رہیں۔ فقہا یعنی علمائے دینیہ کا رسوخ بہت بڑھا ہوا تھا۔ نابغۂ روزگار علماء کو عہدے بھی عطا کئے جاتے تھے جیسا کہ ابوالحجاج یوسف بن اسماعیل (م: ۱۳۵۴ء) نے لسان الدین بن الخطیب مورخ کو وزارت کا عہدہ عطا کیا تھا۔[۲۱]

ان حکمرانوں نے عبادت و طاعت کے لئے باضابطہ احکامات جاری کئے تھے۔ توہمات اور خرافات جو اس سے پہلے رائج تھیں ان کا خاتمہ کر دیا تھا۔ مثلاً ان سے پہلے یہ رسم چلی آرہی تھی کہ وہ مُردوں کو بہت سے تعویذ اور ہار پہنا کر دفن کیا کرتے تھے۔ ان سلاطین

غرناطہ نے یہ خلاف سنت طریقہ ختم کر دیا۔ تعزیرات جاری کرنے کا ڈھنگ بھی بالکل الگ تھا۔ جو پہلے کے حکمرانوں سے بالکل مختلف تھا۔ یعنی جلاوطن کئے جانے وغیرہ کی سزا کے بجائے مجرم کے لئے سزائے قید کا رواج قائم کیا اور ان سے جیل خانوں میں کسی نہ کسی قسم کا کام لیا جاتا تھا۔[۲۲]

اس اجمالی تعارف سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ سلطنتِ غرناطہ حکمرانوں کے ذاتی حالات سے قطع نظر، ان مذکورہ خدمات نافعہ اور امور جلیلہ کے لحاظ سے تاریخ عالم کی حکومتوں میں نہایت ہی لائقِ تحسین اور قابل تعریف حکومت رہی ہے۔

غرناطہ : طبعی وجغرافیائی خصوصیات :-

عالمی تہذیب کی ترقی اور معیاری تمدن کی تشکیل کے سلسلے میں بعض مقامات کو ابدی شہرت و عظمت حاصل رہی ہے اسپین کی سرزمین جب مسلمانوں کے زیر نگیں آئی اور مشرق و مغرب کی مختلف النسل قبائل میں باہمی ارتباط کا موقعہ آیا تو تہذیب و تمدن اور صنعت و حرفت کے نئے در و بام آراستہ ہو گئے قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ جیسی بستیاں گہوارہ علم و ادب اور مرکز تہذیب و تمدن بن گئیں۔ موسیٰ بن نصیر کے فرزند عبد الاعلیٰ نے اسپین کے اس خطہ کو جس کا نام "البیرہ" تھا ہسپانوی زبان میں ELVIRA ۹۳ ہجری مطابق ۷۱۱ عیسوی میں فتح کیا۔ یہ شہر رومیوں کا آباد کردہ تھا اس میں ایک علاقہ غرناطہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پرانا شہر امتداد زمانہ کے ہاتھوں آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ غرناطہ کے نام نے لے لی۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں ۵ ویں صدی ہجری (۱۲ سدی عیسوی) میں یہ ایک صوبہ بن گیا۔ جس کی آبادی ۱۳ ویں صدی عیسوی میں ۴ لاکھ ۴۴ ہزار نفوس تک پہنچ چکی تھی۔[۲۳]

ابن الخطیب کے بقول[۲۴] اس شہر کا نام غرناطہ اور بعض کے نزدیک اغرناطہ اصلاً اسپین

کے ایک صوبہ البیرۃ کا ایک قدیمی شہر تھا۔ جو اسپین کے صوبوں میں سب سے بڑا صوبہ تھا رومیوں کی قدیم تاریخ میں یہ علاقہ "سنام الاندلس" کے نام سے بھی موسوم تھا۔ اس صوبہ کا ایک شہر قسطلیتہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ شہر غرناطہ البیرۃ کی اصل آبادی سے آٹھ میل دور آباد تھا۔ قرطبہ اس کے جنوب مشرق میں ۸۴ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ کوہستانی سلسلہ غرناطہ سے مشرقی و جنوبی سمت میں چلا گیا ہے "جبال البراجلہ" اس کے مشرق و جنوب کے درمیان واقع ہیں اور کنبانیہ (میدان) اس شہر کے مغرب اور جنوب کی سمت میں ہے۔ غرض ساحل کی قربت کی وجہ سے ساحلی مقامات کے خوش رنگ تازہ پھلوں کا خرمن اور بحری قافلوں کی گزرگاہ ہے۔ یہ علاقہ بے حد سرسبز و شاداب ہے۔ کنبانیہ اور براجلات کی وجہ سے میوہ جات کے علاوہ گیہوں اور دیگر غلوں کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ دنیا کے مشہور برفستانی پہاڑوں میں ایک کوہ "شُلیر"[۲۵] بھی ہے جس پر موسم گرما و سرما میں برابر برف جمی رہتی ہے۔ یہ پہاڑ غرناطہ سے ۶ میل جنوب میں واقع ہے۔ دامن کوہ سے جابجا چشمے نکلتے ہیں اور اس کی آبشاروں سے ۲۶ دریا نکلے ہیں۔ ان طبعی اور جغرافیائی خصوصیات کی وجہ سے غرناطہ کی آب و ہوا صحت مند ہے مرغزاروں اور باغوں کی کثرت کی وجہ سے ہر طرف سرسبز و شاداب علاقوں کی کثرت ہے یہاں کے باشندے خوب رو، تنومند اور دلیر و جفاکش ہوتے ہیں۔ غالباً انہیں خصوصیات کی بنا پر ابن غانیہ نے مرابطین کو مخاطب کر کے کہا تھا:

> "اندلس مثل ڈھال کے ہے اور غرناطہ اس کا دستہ ہے۔ اے مرابطین کی جماعت! اگر تم دستے کو مضبوط پکڑے رہو گے تو پھر ڈھال تمہارے ہاتھوں سے کبھی نہیں نکل سکتی"۔[۲۶]

قاضی ابوبکر بن شیرین نے اپنے چند اشعار میں غرناطہ کی سردی کی تعریف کی ہے

رعی اللہ من غرناطة متبوأ   یسر کئیبا أو یجیر طریدا
تبرّم منها صاحبی عندما رأی   مسارحها بالبرد عُدن جلیدا
ھی الثّغر صان اللہ من أھلت بہ   وما خیر ثغر لا تکون بُرودا

(خدا غرناطہ کو محفوظ رکھے۔ یہ ایسی جگہ ہے کہ یہاں غمگین کو مسرت اور جلاوطن کو پناہ ملتی ہے، میرا دوست اس منظر کو دیکھ کر گھبرا اٹھا کہ تمام چراگاہیں سردی سے برفستان ہوگئیں۔ غرناطہ ایک ثغر (سرحدی مقام) ہے خدا اس کے ساکنین کو محفوظ رکھے اور جو ثغر (دانت) اولوں کی طرح نہ ہو وہ خوشنما نہیں ہوتا)

کاشتکاری کو بے حد فروغ حاصل رہا۔ زرخیزی میں سوائے دمشق کے اسلامی عہد حکومت میں کوئی اس کے برابر نہیں۔ غلہ کے علاوہ گنے کی کاشت بہت اچھی ہوتی۔ معدنیات میں بھی یہ علاقہ خداداد تھا۔ سونے، چاندی، سیسہ، توتیا اور لوہے کی بیش بہا کانیں یہاں موجود تھیں مقام دلایة (موجودہ DAHAS) میں یلنجوج نام کی ایک لکڑی پیدا ہوتی ہے جس کی خوشبو عود ہندی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کوہ "شلیر" پر سنبل کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ جنطیانا ایک مشہور درخت ہوتا ہے جس میں تریاق کی تاثیر پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ترمتر، جڑی بوٹیاں اور معدنی اور نباتی دوائیں بہ کثرت پیدا ہوتی ہیں۔ ریشم کی پیداوار بھی بکثرت ہوتی ہے۔ زرعی اور معدنی اشیاء کی فراوانی کی وجہ سے غرناطہ کے باشندے دولت و ثروت سے مالا مال تھے۔ اسپین کا ایک مورخ ابو مروان بن خلف حیان (۳۷۷ - ۴۶۹ھ) وہاں کی کثیر دولت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

"شہر کی جامع مسجد کے دروازے کے قریب ہر وقت ایسے پچاس گھوڑے جمع رہتے تھے جن کی لگاموں کے دہانے تمام تر چاندی کے ہوتے تھے کیونکہ وہاں رؤسا بکثرت آباد تھے ان کی عالیشان عمارات اور محلات اور جامع مسجد کی عالیشان عمارت ان کے تمول کی مظہر ہیں۔"[۲۷]

لسان الدین ابن الخطیب غرناطہ کی منظر نگاری ان الفاظ میں کرتا ہے :

بلد یحف به الریاض کأنه   وجه جمیل والریاض عذاره
وکأنما وادیه معصم غادة   ومن الجسور المحکمات سواره

“غرناطہ ایک ایسا شہر ہے کہ جس کے چاروں طرف باغ ہی باغ ہیں گویا وہ کسی حسین کا چہرہ ہے اور باغ اس کے رخسار ہیں اور اس کی وادی کسی نازک اندام کی کلائی ہے اور اردگرد کے مستحکم پل اس کے کنگن ہیں”۔

غرناطہ کی ساری فضا نغمہ پرور اور دلکش منظر سے معمور معلوم ہوتی تھی۔ شاعروں کے الفاظ میں یہ جگہ ”جنت ارضی“ سے کم نہ تھی۔ یہ ممکن ہے کہ بعض شعراء نے بعض قدرتی مناظر کو مبالغہ آرائی سے پیش کیا ہو لیکن اس خیال سے غرناطہ کی پربہار فضا کو کسی طرح بھی جغرافیائی اسباب و عوامل اور اثرات سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اسپین اپنے جغرافیائی حدود کے لحاظ سے اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کی آب و ہوا اور قدرتی مناظر سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ غرناطہ کی توصیف میں ایک اور شاعر ابوالحجاج یوسف بن سعید بن حیان کہتا ہے :

احن إلی غرناطه کلما هفت   نسیمُ الصّبا تهدی الجوی وتشوق
سقی الله من غرناطة کل منهل   بمنهل سحب ماؤُ حن هریق
دیار یدور الحسن بین خیامها   وأرض لها قلب الشّجیّ مشوق
أغرناطة العُلیا! بالله خبری   اللهائم الباکی الیک طریق

غرناطہ اپنی نفاست و پاکیزگی کی وجہ سے عروس البلاد کہلاتا تھا۔ ابن البطوطہ اس شہر کی تعریف میں لکھتا ہے :

هی قاهرة بلاد الاندلس وعروس مدنها و[illegible]ارجها لا نظیر له فی الدنیا

وھو مسیرۃ اربعین میلاً یخترقہ نھر شنیل المشھور، وسواہ من الانھار الکثیرہ، والبساتین الجلیلۃ والجنات والریاضات والقصور والکروم محدقۃ بھا من کل جھۃ[۲۹]

(یہ غرناطہ اندلس کا دارالسلطنت ہے اور اندلس کے شہروں میں دلہن ہے حسن و خوبصورتی میں اس کی نظیر ملنا محال ہے، اس کا رقبہ چالیس میل ہے۔ مشہور دریائے شنیل اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے دریا اور ندیاں ہیں۔ بڑے بڑے باغات اور سبزہ زار اور محلات یہاں موجود ہیں انگوروں کی بیلیں دور دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں)

علامہ شقندی اسے اندلس کا دمشق کہتا ہے۔ ابو جعفر الغرناطی کہتا ہے:

ھی الفردوس فی الدنیا جما[۳۰]
لساکنھا، وکارھھا البعوض

(یہ خطہ ساکنان شہر کے حسن و جمال کے سبب فردوس بریں ہے اور اس سے نفرت کرنے والا حقیر مچھر ہے)

زراعت

دیہی علاقوں میں کثرت سے کسان آباد ہوئے تھے جو خود اپنی کاشت کرتے، ان کی زمینیں امراء و سلاطین کی عطا کی ہوئی ہوتی تھیں۔ اراضی کی تقسیم دو طرح پر تھی ایک تو وہ اراضی تھی جو امراء و سلاطین کی ملکیت تھی جس میں حسین باغات لگائے جاتے تھے اور اکثر پھلوں کی کاشت ہوتی جن میں انگور کی کاشت عام تھی۔ کوئی حصہ زراعت سے کبھی خالی نہیں رہتا تھا۔ ان باغات اور اراضی میں جگہ جگہ عالیشان عمارات، برج، وسیع خرمن، کبوتر نیز دیگر پالتو جانوروں کے لئے چراگاہیں ہوتی تھیں۔ ان میں خاص کر دار ھذیل۔ دار ابن مرضی، دار بیضاء، دار سفیات اور دار نبلہ ان کے علاوہ باقی اراضی رعایا کی ملکیت تھی جو خود کاشت کاروں کے خورد و نوش کا ذریعہ تھی ایسے

وسیع قطعات باسٹھ ہزار سے زائد تھے جن میں سے ہر بڑے قطعے کی قیمت تقریباً ۲۵ طلائی دینار ہوا کرتی تھی۔ ان کے علاوہ شاہی اراضی اور املاک جو مساجد اور رفاہ عام کے لئے وقف تھیں ان کی مجموعی تعداد تقریباً ۵ لاکھ ساٹھ ہزار ہوتی تھی۔ شاہی اراضی کی سالانہ غلہ کی پیداوار تین لاکھ قدح سے زائد تھی[۳۱] اس زمانہ میں آٹا پیسنے کے لئے پن چکیوں کا بھی رواج تھا۔ غرناطہ کی شہر پناہ کے اندر اور باہری علاقوں میں ۱۳۰ ایسی پن چکیاں چلتی تھیں۔[۳۲]

غذا

غذا میں عام طور پر عمدہ گیہوں سال بھر تک استعمال ہوتا مگر بادیہ نشین اور مزدور موسم سرما میں عربی جوار اور چنا، مٹر اور مسور وغیرہ کھاتے تھے۔ میوہ جات اور پھل بہ افراط ملتے تھے انگور نصف سال تک ملتا تھا۔ انجیر، منقی، سیب، انار بلوط، ناریل بادام اور میوہ جات خشک و تر ہر موسم میں بلا استثناً ملتے تھے۔[۳۳]

حلیہ

لوگوں کا رنگ عام طور پر سرخ و سپید ہوتا تھا۔ ناک متوسط قد رے بلند قد میانہ پستی کی طرف مائل۔ بال کالے اور لانبے۔ گفتگو میں عام طور پر فصیح عربی بولتے۔ مخارج کو اکثر گھٹا کر باتیں کرتے تھے نزاعی معاملات میں نہایت خوددار رہتے تھے۔[۳۴]

موسم سرما میں عام طور پر رنگین پوشاک زیب تن کرتے۔ کتان ریشم۔ سوت اور موعر کے کپڑے پہنتے امارت اور مرتبے کے لحاظ سے کپڑوں میں فرق ہوتا۔ موسم گرما میں افریقی چادریں، تیونسی کرتے اور لنگیاں استعمال کرتے تھے۔ عمامہ کا عام رواج نہیں رہا تھا۔ خال خال لوگ مثلاً شیوخ علماء و قضاۃ اور عربی فوج کے سردار عمامہ استعمال کرتے تھے۔ البتہ عصاً رواج میں تھا لیکن اس کی ساخت میں جدت یہ تھی کہ بید کی لکڑی سے بنائے جاتے تھے خاص طور پر "امداس" کی چھڑیاں مشہور و مقبول تھیں فرانسیسی ساخت کی کمانیں اور تیر ہمیشہ ساتھ رکھتے جن سے تیر اندازی کی مشق کرتے۔ تلواروں میں

اقتصادی منفعت کو فوقیت دی جاتی تھیں۔ بازاروں کی نمائش، زیب و زینت کے ساتھ صنعتکاری کی اشیاء اور آلات کی خرید و فروخت بھی انہیں موقعوں پر عمل میں آتی[۳۶]

زیورات

سونے کے زیورات میں گلے کے ہار، کنگن، بالیاں اور پازیب خوشحال طبقے میں استعمال کئے جاتے دوسرے طبقہ کے لوگ پاؤں کے اکثر زیورات چاندی کے استعمال کرتے تھے۔ عمدہ قسم کے بیش قیمت جواہرات یاقوت، زبرجد وغیرہ امراء اور ارکان دولت بکثرت استعمال کرتے تھے بیگمات حسن و جمال میں شہرہ آفاق حیثیت کی مالک ہوتی تھیں، نازک اندام، گیسو دراز، دُر دندان، عنبر فشاں، سبک رفتار، خوش گفتار اور عام طور پہ نیک کردار ہوتی تھیں۔ ان کی زیب و زینت، آرائش زرین ملبوسات، رنگین پوشاک اور بوقلموں زیورات سے ہوتی تھی۔

سکے

کاروبار میں زر مبادلہ سونا اور چاندی کے سکے تھے درہم مربع شکل ہوتے تھے جن کا وزن، عہد موحدین سے ابو عبداللہ محمد بن تومرت المعروف المہدی کے مقرر کردہ وزن کے مطابق ہوتا تھا یعنی ایک اوقیہ چاندی میں ستر درہم بنائے جاتے تھے۔ درہم پہ مختلف ادوار میں مختلف عبارات کندہ ہوتی تھیں۔ تیرھویں صدی میں درہم پر ایک جانب کلمۂ توحید اور دوسری جانب لاغالب الا اللہ غرناطہ، منقوش ہوتا تھا۔ نصف درہم کو قیراط کہتے تھے اس کے ایک [illegible] پر الحمد للہ رب العالمین اور اس کی پشت پر "وما النصر الامن عند اللہ" مرقوم ہوتا تھا اور نصف قیراط بھی بنتا تھا جس کے ایک جانب ھُدی اللہ ھُو الھدیٰ، اور دوسری جانب العاقبۃ للتقوی درج کیا جاتا تھا۔ دینار کا وزن ۱/۷ اوقیہ ہوتا تھا، اس کے ایک طرف قل اللھم مٰلک الملك بیدك الخیر اور اطراف میں والحکم الله واحد، لااله الاهو الرحمٰن الرحیم دوسری طرف الامیر عبد اللہ یوسف بن امیر المسلمین أبی الحجاج بن امیر المسلمین ابی الولید

اسماعیل بن نصر اید اللہ امرہ اور اطراف میں لاغالب الا اللہ تیرھویں صدی عیسوی کے آخری ربع میں دینار کے ایک رُخ پر یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون اور حاشیہ پر "لاغالب الا اللہ" دوسرے رُخ پر الامیر عبد الغنی باللہ محمد بن یوسف بن اسماعیل بن نصر اَیّدہ اللہ وَاَعانہ اور اس کے ربع دائرہ میں بمدینۃ غرناطہ حرسہا اللہ لکھا جانے لگا تھا۔ [۳۶]

فوجی نظام

غرناطہ کی فوج دو قسم کی تھی۔ ایک اندلسی سپاہ پر مشتمل تھی اور دوسری طرف بربری نسل کی سپاہ پر۔ ان کا سالار ان کے خاندان کا کوئی لائق و معتمد شخص ہوتا تھا جس کو بادشاہ خود منتخب کرتا تھا۔ احمد بن موسیٰ کا بیان ہے کہ فوج کے دو حصے ہوتے تھے ایک غازیوں کا دوسرا مقیمین کا ، غازی کو اپنی جنگی خدمت انجام دینے کی وجہ سے دو سو دینار ملتے تھے اور مقیم سال میں تین ماہ تک بلا کسی معاوضہ کے رہتا تھا اس کی مدت ختم ہوتے ہی اس کو کسی غازی کی جگہ مامور کر دیا جاتا جو اس کے خاندان کا ہوتا تھا۔ غازی تین ماہ تک آرام کرتا، غازی معاہدین کے بھائی اولاد اور برادر عم زاد کو جو شاہی فوجوں میں ہوتے انہیں اختتام جنگ پر دس دس دینار دیئے جاتے تھے۔ معاہدین کا یہ فرض تھا کہ وہ سپہ سالار کے ساتھ مشورہ کر ان لوگوں کے حالات کی تحقیقات کیا کریں جو جنگی خدمات میں اپنے آپ کو انعام و اکرام کا مستحق بنائے چنانچہ معاہدین کے اعزاز کی بنا پر جس جس کی وہ سفارش کرتے تھے انہیں صلہ و انعام دیا جاتا تھا ان معاہدین کی خدمات صرف فوج سے متعلق تھیں جو شاہی غازی معاہدین کے خاندان سے نہ ہوتے انہیں اختتام جنگ پر پانچ پانچ دینار ملتے تھے۔ باشندگان شہر میں سے بجز معاہدین کے کسی کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ [۳۷]

محاسب اور منشی خاص کر شامیوں میں سے ہوتے تھے، تمام شامیوں کو عشر زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ کی ادائیگی سے آزاد کر دیا گیا تھا۔ البتہ جنگی خدمات کے لئے انہیں ہر وقت آمادہ و مستعد رہنا پڑتا تھا۔ اور سوائے ان ذمیوں کی مال گزاری کے جن کے کاشتکار عیسائی اور مالک وہ خود تھے انہیں اور کوئی محصول نہیں دینا پڑتا تھا بقیہ شہری عربوں کو دیگر باشندگان شہر کی طرح عشر ادا کرنا پڑتا تھا اور سوائے ان میں جو خاندان اور کنبے والے ہوتے انہیں شامیوں کی طرح جنگ میں شریک ہونا پڑتا اور اس کا کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں دیا جاتا ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا گیا۔ باشندگان شہر کو جنگی خدمات کے لئے نام درج کرانا لازمی تھا۔

فوجی لباس فرانسیسی وضع کا رائج تھا لیکن بعد میں اس میں کچھ تبدیلی کر لی گئی تھی، یعنی پورے جسم کی زرہ اور ڈھال بڑے بڑے خود، چوڑے نیزے، موٹی زین اور پس پشت جھنڈیاں استعمال کی جاتی تھیں، مگر بعد میں مختصر جوشن، باریک دھار کی تلوار، عربی ڈھال، سادے تیر اور لچکدار نیزے کام میں لائے جاتے تھے[۳۹]۔

تعمیر

فن تعمیر میں اسپین کے عرب بہت دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے فن تعمیر میں قدیم کلیساؤں کے طرز تعمیر کو نئی شکل دینے کی کوشش کی۔ بقول ڈاکٹر جوزف ہیل؛

عربوں نے مشرقی اور مغربی آرٹ کے امتزاج سے ایک نئی چیز۔ جو انتخاب اور ترکیب کا نتیجہ تھی، پیدا کی اور اسے اپنی طرف سے ایک جداگانہ صورت دیدی چنانچہ یہ جدید آرٹ ایک طرف تو عربوں کے اعلیٰ مذاق کی مظہر ہے دوسری طرف ایرانی، قبطی اور بازنطینی کاریگروں کے اشتراک عمل کا نتیجہ ہے۔

جامع قرطبہ، اور غرناطہ کا قصر الحمراء اسی آرٹ اور فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔ قصر الحمراء کی تعمیر ۱۲۲۲ میں محمد الاحمر کے ہاتھوں شروع ہوئی ابو عبداللہ محمد ثالث، ابوالحجاج یوسف اور محمد غنی باللہ نے اسے خاص طور سے وسعت دی ۳۹؁ عیسائیوں کے عہد میں اس کی اکثر عمارات کو نقصان پہنچا ۱۰۱۸ میں اس کی بڑی مسجد کو مسمار کر دیا گیا اس محل کا جو بھی حصہ باقی ہے وہ چودھویں صدی عیسوی کا تعمیر شدہ ہے جس میں اندلسی آرٹ اپنے انتہائے کمال پہ نظر آتا ہے اس کے قدیم ترین حصہ میں ایک چھوٹے سے صحن کے ساتھ ایک اونچی سی دیوار بنی ہوئی ہے جس کی سطح پہ اعلیٰ درجہ کی آرائش موجود ہے لیکن وہ صحن جو مہندی کے تختوں سے آراستہ ہے اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں جو سنگین برج، "برج قمر" ہے اس کی دیواروں کے سادہ سطحات عربوں کی جنگی قوت کی آخری علامت ہیں۔

تعلیمی مراکز

سلطنت غرناطہ میں دو قسم کے مدارس قائم تھے۔ ایک تو ابتدائی جن میں عموماً غرباء کے بچوں کے لکھنے پڑھنے اور دینیات کی تعلیم کا انتظام تھا دوسرے اعلیٰ مدارس جہاں تمام اعلیٰ مضامین پڑھائے جاتے تھے، یورپ کی وحشی اقوام کے شائقین ہزاروں کی تعداد میں آکر وہاں نور علم سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ مشہور مائیکل اسکاٹ اور میور یہیں کے نکلے ہوئے فرزند تھے، کہا جاتا ہے کہ سلطنت غرناطہ میں ستر عام کتب خانے سترہ کالج اور دو سو ابتدائی مدرسے قائم تھے۔ ان اداروں سے ایسے ادیب، مورخ، محدث اور سائنس داں نکلے اور انہوں نے اپنے کمالات دنیا کے سامنے پیش کئے جس کی وجہ سے غرناطہ کی یونیورسٹی کا نام روشن ہو گیا تھا اور جسے آج بھی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔ جہاں تک ان اداروں کے انتظام و اہتمام کی بات ہے۔ یہ ایک ڈائرکٹر کے سپرد ہوتا تھا جس کا انتخاب عام طور پہ وقت کے دانشور علماء میں سے ہوتا تھا اور اس تقرری میں مذہب کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ یہودی اور عیسائی عالم بھی اس عہدے پہ برابر ممتاز ہوئے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ واٹ منٹگمری: اے ہسٹری آف اسلامک اسپین، ص ۱۴ (انگریزی)

۲۔ احمد المقری: نفح الطیب، ج ۴ / ص ۱۱۷

۳۔ اے پولیٹیکل ہسٹری آف مسلم اسپین امام الدین، ص ۱۰۳

۴۔ ابن الخطیب: الاحاطہ، تحقیق محمد عبداللہ عنان

۵۔ الاحاطہ فی اخبار غرناطہ، تحقیق محمد عبداللہ عنان،

۶۔ کتاب العبر: ابن خلدون ج ۴: ۲۵۲- ۲۸۱- مطبوعہ لبنان/ ۱۹۵۸ء، تاریخ افتتاح الاندلس ابن القوطیہ، ۱۸۶۸، پی، کے ھٹی۔ (انگلش ایڈیشن لندن ۱۹۸۱)

۷۔ ابن القوطیہ، الذخیرۃ فی محاسن اہل الجزیرہ، ابن القاہرہ ۱۹۴۲ء ابن خلدون ج ۴: ۲۵۲ - ۲۸۱، اسپانوی اسلام، دوزی (انگلش ایڈیشن) لندن ۱۹۷۲۔

۸۔ نفح الطیب، المقری، مصر ۱۹۴۹ء بعدہ اے ہسٹری آف اسلامک اسپین، واٹ منٹگمری، ص ۸۲

۹۔ المعتمد: دیوان، مطبوعہ قاہرہ 1951

۱۰- تاریخ اُندلس۔ محمد عبداللہ عنان، ص، ۲۷ - ۲۸، القاہرہ ۱۹۵۸، ابن خلدون
۴ : ۳۳۶ - ۳۶۰ ابوالفداء، المختصر فی اخبار البشر، قاہرہ

۱۱- حتّی، پی، کے، ہسٹری آف دی عربس (انگریزی) ص ۵۴۲

۱۲- تاریخ اُندلس ص : ۶۲ - ۷۳، ابن خلدون ۴ : ۶ - ۳ بغیۃ الملتمس
فی تاریخ رجال الاندلس، ابوجعفر ضبی

۱۳- ایضاً

۱۴- ابن خلدون ۴ : ۳۶۱ - ۳۶۵، محمد عبداللہ عنان ص : ۱۸۶ - ۳۲۷،
الذخیرہ، نفح الطیب، پی، کے حتّی : ہسٹری آف دی عربس (انگریزی)
ص ۵۴۶۔

۱۵- سید امیر علی : اسپرٹ آف اسلام۔

۱۶- المصدر نفسہ

۱۷- دیکھئے اللمحۃ البدریۃ فی الدولۃ النصریۃ ابن خطیب
القاہرہ ۱۳۴۷۔

GAYANGOS, PASCUAL DE : THE HISTORY OF -۱۸
MUHAMMADEN
DYNASTIES IN SPAIN, LONDON 1840 - 43
P, 114

WATT MONTGOMERY . W . A HISTORY OF MUSLIM -19
SPAIN, P 163-

۲۰۔ ابن الخطیب : الاحاطہ تحقیق محمد عبداللہ عنان (عربی)

۲۱۔ الدولۃ النصریۃ، ابن خطیب : ۸۹

۲۲۔ ابن الخطیب : الاحاطہ فی اخبار غرناطہ، تحقیق محمد عبداللہ عنان (عربی)

۲۳۔ ابن الخطیب : الاحاطہ فی اخبار غرناطہ، ج ۱ : ص ۲۹

۲۴۔ الاحاطہ ج ۱۔ ۱۴

۲۵۔ جبل شلیر یہ لاطینی قدیم زبان کا لفظ SOLORIUS یا MONS SOLORIUS ہے جس کے معنی جبل شمس کے ہیں جس پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے آج کل اس کو SIERRA NEYDA (نیفادا) کہتے ہیں۔

۲۶۔ الاحاطہ ص ۴ - ۱

۲۷۔ المقتبس فی تاریخ رجال الاندلس : لضبی

۲۸۔ دریائے شنیل یا جنیل GENIL جو غرناطہ سے ۵ کلومیٹر جنوب مغرب میں بہتی ہے۔

۲۹۔ تحفۃ النظار۔ ایچ۔ اے آر گب ص ۳۱۵

۳۰۔ المقری ج ۲ : ۲۷ ، و اخبار الاندلس ج ۱ : ۲۳۱

۳۱۔ محمد عبداللہ عنان : نہایۃ الاندلس

۳۲۔ مشاہدات لسان الدین، مطبوعہ جامعہ الاسکندریہ ۱۹۵۸ والاحاطہ ص ۱۳۸ - ۱۳۹

یشتمل سورها وما دار به من الارحاء الطاحنة بالماء على ما ينيف على مائة وثلاثين رحى ص ۱۳۹

۳۳۔ ایضاً P.K. HITHI HISTORY OF THE DRABS P 528

۳۴۔ ایضاً

۲۵- ابن الخطیب : الاحاطہ اور مشاہدات لابن الخطیب

۲۶- نفح الطیب : احمد المقری اور الاحاطہ ۰ ج ۱ ،

۲۷- IMMAMUDDIN : SORVE ASPECTS OF SOCIS ECONOMIC HISTORY OF MUSLIM SPAIN

۲۸- JOSEPH HELL : THE ARAB CIVILIZATION , P III

۲۹- مقدمہ محمد عبداللہ عنان الاحاطہ- P.K. HITTI HISTORY OF THE ARABS P.50